

سقوط ڈھاکہ

سقوط بغداد

کے آئینے میں

ہر شخص کی نظر میں جو اس کائنات میں خدا کے بپاری کردہ قوانین قدرت اور سنت اللہ سے واقف ہے اور اس کی ابدی اور لافانی کتاب قرآن مجید میں غور اور تدبر کا عادی اور تاریخ عالم سے باخبر ہے، یہ قوی سامنے اور تاریخی حوادث جو دنیا کے مختلف ملکوں میں اور مختلف قوموں کے ساتھ پیش آئے رہتے ہیں محض اتفاقات یا اچانک اور بے سبب واقعات کہلانے کے مستحق نہیں بلکہ یہ ان واقعات و حوادث و تہیوں اور تانیوں کے طویل سلسلہ کا قدرتی اور حتمی نتیجہ ہیں۔ جن کو بروقت سمجھنے اور ان سے ٹھیک ٹھیک نتائج اخذ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ان ہی بندوں کو ملتی ہے جو کسی درجہ میں ایمانی فراست کے حامل ہوتے ہیں۔ اور فہم صحیح کی دولت سے محروم نہیں ہوتے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی صفت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

ادع فحی ذالک لکنا سیتہ
اس میں صاحب فراست بندوں کے لئے
للمتدبرین (سورۃ الحجۃ ۷۵)
بڑی نشانیاں ہیں۔

یہ حوادث و مصائب زیادہ تر ان عوامل کا نتیجہ ہیں جو نفسیاتی اور اندرونی طور پر قوم و معاشرہ کی زندگی میں برابر اپنا عمل کرتے رہتے ہیں ان عوامل و اسباب کے مزاج و انداز اور ان کے تیروں کو دیکھ کر ہر سلیم الطبع آدمی اس بات کی پیشین گوئی کر سکتا ہے کہ اس قوم اور معاشرہ کا یہ انجام ہونے والا ہے، اس کے لئے نہ اس کو کسی وحی و الہام کی ضرورت ہے نہ کسی غیر معمولی ذہانت اور باریک بینی کی۔ وہ محض ان عوامل کو اپنے پیش نظر رکھ کر ان کے انجام کو اسی طرح بتا سکتا ہے جس طرح وہ شخص جو بارش کے اوقات و علامات جانتا ہے اس کے آثار دیکھ کر بارش کی پیشین گوئی کر سکتا ہے بلکہ اس کا وقت بھی متین کر دیتا ہے۔ حالانکہ اس کی معلومات صرف موسم کے تغیرات سے باخبری ملک کی آب و ہوا کے صحیح علم اور اپنے مسلسل تجربوں میں مبنی ہوتی ہیں یا جس طرح قدیم زمانہ میں عرب کے بدو اپنے تجربہ کی مدد سے بارش اور آمدنی

کے اوقات بتا دیا کرتے تھے یا آج کی جدید صدکوں کے ماہرین فلکیات و موسمیات پہلے سے اس کی خبر دیدیتے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا تسلط اور اس کے بعد ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاتاریوں کی یورش اور بغداد کی ہانی بعض بے سر پیر کے واقعات نہیں تھے جن کو صرف تقدیر کی گردش اور قسمت کی خرابی اور اتفاق زمانہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیا جائے۔ یہ دونوں واقعات دراصل اس طویل سلسلہ اسباب کا نتیجہ تھے جس میں اخلاقی امراض، حد سے بڑھی ہوئی بے اعتدالی و کج روی، مجرمانہ افعال و حرکات، مسلسل مغالطے اور خود فریبیاں اور ایسے حالات کی موجودگی شامل ہے جس میں کسی زمانہ اور کسی جگہ بھی باقی رہنے کی صلاحیت نہیں اور سب سے بڑھ کر زندگی کا وہ طرز جو خدا اور رسول کو ناپسند ہے اور جو دین صحیح اور عقل سلیم کسی اعتبار سے بھی ہائزہ نہیں۔

اگر ہم تاریخ و تراجم، سیر و سوانح اور شعر و ادب کے اس ذخیرہ پر نظر ڈالیں جس میں اس عہد کے معاشرہ کی عکاسی اور اس کے رجحانات و میلانات کی سچی تصویر موجود ہے، تاریخ کی ان کتابوں کا مطالعہ کریں جس میں ہر سن کے اہم واقعات قلمبند کئے گئے ہیں یا صرف سقوط بغداد سے قبل اور سقوط کے بعد کی تاریخ دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ تاتاریوں کی تباہ کاری اور بغداد کی تباہی (نَحْوُ خُزْبِ اللَّهِ) قدرت کا کوئی اندھا بہرہ فیصلہ نہیں تھا بلکہ خدا نے عزم و عظیم کی حکمت و اندازہ کا نتیجہ اور تقاضا تھا۔

اس سلسلہ میں یہ چند سطریں ہمارے لئے کافی ہیں جو ساتویں صدی ہجری کے ایک عرب مصنف
دمودرخ ابو الحسن خزر جی نے بغداد پر تاتاریوں کے قبضہ سے پہلے اہل بغداد کی حالت بیان کرتے ہوئے
قلعہ کی ہیں۔

” انہیں صرف اپنی جائیدادیں بنانے اور آمدنی بڑھانے کی فکر تھی، ملک کے اجتماعی مصالح اور مفاد عامہ سے ان کو کچھ دلچسپی نہ تھی وہ ان دنیاوی امور میں مشغول تھے جن کا کوئی جواز نہیں احکام کا ظلم بہت بڑھ چکا تھا اور وہ صرف استحصالی و انتفاع میں لگے ہوئے تھے واقعہ یہ ہے کہ مذکور صفت کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہے۔ لیکن ظلم کے ساتھ زیادہ دلوں تک باقی نہیں رہ سکتی۔“ (الصیغۃ المستنبطۃ)

دسویں صدی کے ایک مشہور عالم و مؤرخ مفتی قطب الدین ٹٹنی کئی مستعصم کے عہد میں اہل بغداد کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”نہم و گرم سبز دل میں آسودہ بخداو کے کنارے چین کی بانسری بناسے وائے آبِ رواں

اور صحنِ گلشن کے عادی دوست احباب کی محفلیں گرم اور دسترخوان میوؤں اور مشروبات سے پُر۔ انہوں نے نہ کبھی حرب و ضرب سے واسطہ رکھنا جنگ کی تلخی سے ان کے کام و دہن آشنا ہوئے۔ (الإعلام بآعلام بیت اللہ الحرام ص ۱۲)

(یورپین ایڈیشن)

ملت پر جو مصائب آتے ہیں یا اس کے کسی ہند یا عنصر کو وسیع اسلامی دنیا کے کسی حصہ میں بھی کسی شکست و ذلت یا چشم زخم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو اس کی حیثیت نہ کسی مقامی واقعہ کی ہوتی ہے نہ کسی وقتی حادثہ کی جس کو اس ملک یا اس زمانہ کے ساتھ مخصوص سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے، بغداد کی تباہی بہت کچھ ان لوگوں کی نااہلی کا نتیجہ تھا جن کے ہاتھوں میں تمام کارمندی یا چند امراء اور وزراء کی ضمیر فروشی یا دین و ملت سے غداری کا، جنہوں نے اپنے محدود و مذموم مقاصد کے ماتحت تاریکیوں کو حملہ کی دعوت دی تھی۔ لیکن مورخین اسلام نے اس واقعہ کو تاریخ اسلام کا ایک جز بنا دیا۔ جو اس وقت سے اس وقت تک برابر وہرا یا جاتا رہا ہے۔ اس کے وسیع اسباب و علل تلاش کئے۔ جن لوگوں پر اس واقعہ کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی ان کا سراغ لگایا۔ ان کا بغیر کسی رو رعایت کے احتساب کیا۔ اپنے اس فریضہ کے ادا کرنے میں جو دشواری بھی تھا اور ناخوشگوار بھی۔ نہ آخری خلیفہ مستعصم باللہ کی ذاتی دین داری، مذہبی زندگی، اور نیک نفسی ان کی تنقید و احتساب کی راہ میں حائل ہوئی، نہ وزیر ابن العلقمی کی قابلیت اور اس کے فرقہ کی مظلومیت مانع ہوئی اور نہ محقق نصیر الدین طوسی کا یگانہ علم و فضل اور اس کی جلیل القدر علمی خدمات ان کا قلم پکڑ سکیں، اس المیہ کے وقوع میں جس کا مہنا حصہ تھا، انہوں نے پوری بیباکی کے ساتھ اس کا تعین کیا۔ اور اس حیثیت سے ہمیشہ کے لئے ان کے ناموں کو تاریخ میں محفوظ کر دیا۔ اسی طرح آخری خوارزمی سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کی اس بے دانشی اور ناواقفیت اندیشی کو انہوں نے آج تک معاف نہیں کیا۔ جو تاریکیوں کے حملہ اور عالم اسلام کی عالمگیر مصیبت کا اصل سبب تھی۔

ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ میں ان بے وفائوں اور ضمیر فروشوں کا نام ہمیشہ لیا جاتا رہے گا۔ جو کسی جاں باز مسلمان بادشاہ یا کسی باحمیت اور غیور مجاہد کے منصوبے کو ناکام بنانے اور اس کی جانفشانیوں اور سرفروشیوں پر پانی پھیرنے کے ذمہ دار تھے۔ اس سلسلہ میں بنگال کے میر جعفر، دکن کے میر صادق اور غلام علی اور ہنگامہ ۱۲۵۸ء کے ملت فروشوں کا نام ضرور لیا جائے گا۔ ملت میں حمیت و غیرت کے قائم رکھنے، دوست و دشمن کو پہچاننے اور اپنا احتساب کرنے کی غارت باقی رکھنے کے لئے یہ ناخوشگوار فرض انعام دینا ضروری ہے۔ خواہ اس کے لئے دل پر پتھر رکھنا پڑے۔ بڑی بڑی جنگوں میں شکستوں کے ارباب

کا دریافت کرنا، ناکامیوں کے عمل و اسباب سے بحث کرنا فلسفہ تاریخ کا ایک ضروری باب اور قوں کی زندگی و حفاظت کا ایک اہم راز ہے، اس لئے گزشتہ دو عظیم عالمگیر جنگوں (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء، ۱۹۳۹ء - ۱۹۴۵ء) پر ناقدانہ اور محققانہ کتابوں کا سلسلہ یورپ میں ابھی تک بند نہیں ہوا۔ اور جن ملکوں نے ان دونوں جنگوں میں شکست کھائی انہوں نے اپنے قائدین کے احتساب میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔ اور آج بھی ان کا ضمیر اور قلم اس کام میں مشغول ہے۔

۵ جون ۱۹۶۷ء کی شکست اس حیثیت سے بھی کوئی مقامی اور علاقائی واقعہ اور وقتی اور ہنگامی حادثہ نہ تھا کہ اولاً اس کا تعلق مسجد اقصیٰ اور فلسطین کی متبرک سرزمین سے تھا جس سے مسلمانوں کو دینی، تاریخی اور جذباتی لگاؤ اور گہری وابستگی ہے۔ ثانیاً ان عربوں سے جو دراصل اسلام کا اس المال اور اس کی اشاعت و ترقی کا سرچشمہ ہیں۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ اس نے دنیا کے سارے مسلمانوں کو ساری دنیا کی نگاہ میں ذیل و خفیف کر دیا۔ اور اس ساکھ کو ختم کر دیا جو غلط یا صحیح طور پر صدیوں سے قائم چلی آرہی تھی۔ اور سب جانتے ہیں کہ کسی تاجر یا کمپنی کی اصل دولت اس کی تجارتی ساکھ اور کسی حکومت یا سلطنت کی اصل طاقت اس کی سیاسی دھماگہ ہوتی ہے، اسی بنا پر کسی فرم کا نام یا ٹریڈ مارک بڑی سے بڑی قیمت دیکر خریداجاتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ اس کی تاریخ اور ساہا سال کے تجربے وابستہ ہوتے ہیں اور اس شکست کا سب سے تاریک پہلو یہ تھا کہ عربوں کی اور ان کے ساتھ ان مسلمانوں کی جنکی عزت ان سے وابستہ تھی ساکھ ختم ہوگئی اور وہ دھماگہ باقی رہی جو صدیوں سے دلوں پر بیٹھی تھی۔ اس لئے یہ واقعہ کسی حیثیت سے بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں اور کسی مسلمان صاحبِ قلم یا ناقد و مقرر کو یہ کہہ کر روکا نہیں جاسکتا کہ یہ عربوں کا اپنا معاملہ تھا۔ اس پر ہمیں بحث کرنے کی ضرورت نہیں، نیز اس شکست میں ایسے عبرت و بصائر مضمر ہیں جو قرآن مجید کے اعجاز کا اعلان اور اسکی صداقت کو عالم آشکارا کرتے ہیں۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا، اس سے قرآن مجید کے فہم اور ایمان کی از یاد و ترقی میں کام نہ لینا، اس سے مختلف اسلامی ملکوں اور اقوام کو سبق لینے کی دعوت نہ دینا ایک کھلی ہوئی نشانی سے آنکھیں بند کر لینا ہے اور ایک نادر موقع کھو دینے کے مترادف ہے۔

وَكَايْنِ رَبَّنَا اِيْتُوْنَا السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ مِثْلَ مِمَّا وُضِعْنَا عَلَيْهَا وَهَمَّ
عَنْهَا مُجْرٍ صَوْنٍ۔
زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن
پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا
توجہ نہیں کرتے۔